ڈاکٹر انیلا سلیم

استاد شعبہ اردو، ادارہ زبان و ادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر رخسانی بی بی

استاد شعبہ اردو ،جی سی ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جایزہ۔۔۔جلد اول پر اعتراضات کا علمی محاکمہ

Dr.Aneela Saleem
Assistant Professor, institute of Urdu Language and Literature, University of the Punjab, Lahore.
Dr. Rukhsana Bibi
Assistant Professor, Department of Urdu, GC Women University, Faisalabad.

Research and Linguistic Review of the Dictionary----- Scientific trial of objections on the first volume

Kutab.e.lughat ka tehqeeqi.o.losani jaiza was a research project of National Language Authority. Seven volumes of this project came to the scene from 1986 onward.Jabir Ali Sayyed and Waris sarhindi were included in those analysts who has done this great job.Farhang.e.Asar was published alongwith its critical analysis as one of the volume of this seriesJabir Ali Sayyed wrote down the vol one of this series annotation of which was done by waris sarhindi.In those notes waris sarhindi raised some objection about Jabir Ali's research analysis; methods and the way of presentation.In this research article an effort has been made to present those facts and relevant examples from various aspects of linguistic research; so that the one can find the true image of a prominent figure of linguistic research and a fine picture of the research method could be present.

Key Words: *Lisaniyat, Muqtadirah, Waris Sarhindi, Arabic linguistics, Persian, Linguistics, Muarab, Mufarras, Platts, Farhang.e.Aasfiya, Lughat.e.Kabee.*

کسی بھی زبان کے مروّج ہونے اور ذخیرہ الفاظ کے قابل اعتبار ہونے میں لغات کا اہم کردار ہے۔ لسانی علوم کی ترقی اور تحفیظ لغات کے تحقیقی و تنقیدی تجزیے اور تبصرے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اردو زبان کو درجہ استناد تک پہنچانے کے سلسلے میں مقتدرہ قومی زبان نے اردو لغات (جن کے مولفین مستشرقین تھے یا مقامی ماہرین

لسانیات) کا ایک سلسلے وار منصوبے کے تحت جائزہ پیش کیا جو سات جلدوں پر مشتمل ہے، اس سلسلے کی پہلی جلد دو لغات کے جائزے پر مشتمل ہے۔ اوّل پلیٹس کی لغت اور دوّم فرہنگِ آصفیہ ۔ یہ دونوں تنقیدی جائزے جابر علی سید کے پیش کردہ ہےں جو ان کی لسانی حیثیت کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان جائزوں کے آغاز میں جابر علی سید کے قلم سے کوئی دیباچہ یا پیش لفظ شامل اشاعت نہیں۔ کتاب کی اشاعت کے قریب ہی جابر علی سید خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے۔ چنانچہ اس تحقیقی ادارے کی جانب سے ایک تعزیتی نوٹ "موت العالم" کے عنوان سے یوں شامل اشاعت کیا گیا:

> "کتاب چھپ چکی تو خبر ملی کہ کتاب کے مصنف جناب جابر علی سید ۳جنوری ۱۹۸۵ء کو بہ قضائے الٰہی انتقال فرما گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون جلد کی بندی روک کر یہ صفحہ شاملِ اشاعت کیا گیا کہ یہ مصنف کی زندگی کی اہم کتاب تھی۔ اگرچہ موت نے انھیں مطبوعہ صورت میں اسے دیکھنے کی مہلت نہ دی۔ لیکن ان کے تبحر علمی کا یہ اظہار یقیناً ان کے نام کو زندہ رکھنے کا سبب بنے گا۔ مرحوم اردو لسانیات میں اپنا ایک نام رکھتے تھے اور عرصے سے مقتدرہ قومی زبان کے ذریعے سے اردو کی خدمت کر رہے تھے۔ ان کے کام یقیناً اردو کی تاریخ سے محو نہ ہوں گے۔ خدا انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ (آمین)" (۱)

اس کتاب کی مانگ کے پیش نظر جون ۱۹۸۹ء میں اسے دوبارہ شایع کیا گیا جس میں پہلے اڈیشن میں موجود اغلاط کی تصحیح بھی کر دی گئی۔ مذکور سلسلے کی پہلی جلد کے حواشی و تعلیقات وارث سرہندی نے درج کیے اور اس سلسلے کی جلد دوّم (جولائی ۱۹۸۶ء) میں وارث سرہندی نے فیلن کی لغت اور جامع اللغات کی چار جلدوں پر تبصرہ کیا۔ اس کے حواشی و تعلیقات شان الحق حقی نے درج کیے۔ جلد سوم (جولائی ۱۹۸۷ء) میں وارث سرہندی نے جان شیکسپیئر کی "اردو انگریزی ڈکشنری" کا محاکمہ کیا ہے۔ جلد چہارم (مارچ ۱۹۸۷ء) کے سلسلے میں اہم بات یہ کہ کتب لغت کے تحقیقی و لسانی جائزے کے اس منصوبے کی جلد دوّم اور سوم میں جلد چہارم کے بارے میں یہ صراحت کی گئی تھی کہ چوتھی جلد جناب نسیم امروہوی مرتب فرمائیں گے۔ (۲) لیکن بعدازاں نواب مرزا جعفر علی خان اثر لکھنوی (مرحوم) کے فرہنگِ اثر کے عنوان سے موجود تحقیقی جائزے کی عکسی نقل ہی کو جلد چہارم کے طور پر پیش کر دیا گیا۔ اس کے پہلے حصے میں انھوں نے جلال لکھنوی کی کتاب سرمایہ زبانِ اردو کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا ہے جب کہ

دوسرے حصے میں نورالحسن نیر کاکوروی کی نور اللغات کا تحقیقی و لسانی جائزہ پیش ہے۔ جلد ششم (اگست ۱۹۸۷ء) میں وارث سرہندی نے بھی نوراللغات کا جائزہ لیا ہے اور اس ضمن میں اثر لکھنوی کے جائزے سے استفادہ کیا ہے، جلد ہفتم (۱۹۹۵ء) میں وارث سرہندی نے ڈنکن فاربس کی اردو۔ انگریزی لغت اور تاج اللغات از تاجور نجیب آبادی پر تبصرہ کیا ہے۔

اردو کی بعض اوّلین لغات مستشرقین نے اپنی ضروریات کے تحت تالیف کیں اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر لغات پر بھی کام ہو تارہا John T. Platts کی A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English ۱۸۸۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔ جابر علی سید جب اس لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ پیش کرتے ہیں تو تعارف میں اس کے محاسن و معایب بھی گنواتے ہیں اور اس تحقیقی کام کے لیے جو طریق کار وضع کیا ہے اس کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے۔ چوں کہ یہ اس سلسلے کی پہلی جلد ہے تو اس طریق کار کا وضع کرنے کا سہرا بھی جابر علی سید کے سر ہے کہ بعد ازاں انھی اصولوں کی پیروی کی گئی۔ مستشرقین کی دیگر لغات کے نام گنواتے ہوئے جابر علی سید نے لغت کبیر از ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے مقدمے کا حوالہ دیا ہے کہ اس مقدمے میں ہندوستانی۔ انگریزی لغات کے تمام محاسن و معائب گنوا دیے گئے ہیں۔ جابر علی سید نے لغتِ کبیر کے ۱۹۷۷ء کے اڈیشن کا حوالہ دیا ہے۔ اس اڈیشن کو دیکھا جائے تو 'حرفے چند' میں جمیل الدین عالی یوں صراحت کرتے ہیں:

> "پہلی جلد ۱۹۷۳ء میں چھپی تھی۔ اس میں بابائے اردو مرحوم کا مقدمہ اور ڈاکٹر شوکت سبز واری مرحوم کا ایک تعارفی نوٹ شامل تھا۔ ڈاکٹر شوکت سبز واری اس وقت حیات تھے اور لغت پر ہی کام کر رہے تھے۔ تبرکاً ہم دونوں مقالات اس اشاعت میں دے رہے ہیں اور ان شاءاللہ اس سلسلے کی ہر جلد میں شامل کرتے رہیں گے تاکہ جن قارئین کی دسترس صرف ایک جلد تک ہو وہ بھی ان خیالات سے استفادہ کر سکیں۔" (۳)

معلوم ہوتا ہے کہ جابر علی سید کی دسترس میں لغتِ کبیر کی جلد دوّم کا حصّہ اوّل تھا۔ مزید کہ مولوی عبدالحق کا یہ مقدمہ الگ مقالے کی صورت میں ستمبر ۱۹۵۵ء کے نگار میں بھی شایع ہوا۔ اس مقدمے میں پلیٹس (Platts) کی لغت کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

Platts "کی مبسوط اردو ہندی انگریزی لغات ۱۸۸۴ء میں آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس سے شایع ہوئی۔ اس کے بعد کئی بار چھپی ہے پلیٹس کی لغات فیلن کی کتاب کے مقابلے میں بہت زیادہ ضخیم اور وسیع ہے۔ اس نے اردو کے ساتھ ٹھیٹھ ہندی کے لفظ بھی لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی، عربی، سنسکرت کے الفاظ کا بھی بہت کافی ذخیرہ ہے جن میں سے اکثر اردو زبان میں مروّج ہیں الفاظ کے معنوں میں زیادہ تفصیل اور وسعت پائی جاتی ہے اور اکثر الفاظ کے ماخذ اور اصل کا بھی اشارہ کیا ہے لیکن معنی اور استعمال کے لیے سند نہیں دی۔ ہر اصل لفظ پہلے اردو رسم الخط میں ہے۔ اس کے آگے ناگری رسم الخط میں ہے۔ اس کے بعد رومن حروف میں۔ ان دونوں فاضل لغت نویسوں کی محنت اور کاوش قابل داد ہے۔" (۴)

جابر علی سید نے ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی اس رائے پر یوں اعتراض کیا ہے:

"مولوی صاحب سے یہاں ایک غلطی ہو گئی ہے۔ پلیٹس نے فارسی عربی الفاظ کو ناگری رسم الخط میں نہیں لکھا بلکہ صرف ہندی سنسکرت اور پراکرت الفاظ کو ناگری میں درج کیا ہے۔ فارسی عربی الفاظ کو البتہ رومن حروف میں لکھا ہے لیکن ہندی الفاظ کو رومن اور ناگری دونوں رسم الخطوں میں درج کیا ہے اور یہ اضافی خوبی ہے" (۵)

اس غلط فہمی کا ازالہ پہلی بار جابر علی سید نے کیا کہ یہ لغت اصل میں اردو انگریزی لغت اور ہندی الفاظ کی اس میں ضمنی حیثیت ہے اردو میں الفاظ درج کرنے کے بعد دوسرے کالم میں اسے دیوناگری رسم الخط میں بھی لکھا گیا ہے لیکن عربی اور فارسی الفاظ کو دیوناگری رسم الخط میں نہیں لکھا گیا۔

پلیٹس کی لغت کو دیکھا جائے تو جابر علی سید کی تحقیق کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ لغت سے مثال ملاحظہ ہو:

"براق Barraq, adj. Flashing, shining brilliant, resplendent; white, snow white, clear". (6)

اور جب کسی ہندی یا سنسکرت لفظ کا مطلب درج کرتے ہیں تو ناگری اور رومن دونوں رسم الخط استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً:

biraga} Absence of desire or passion, indiffe rence, براگا disinclination aversion; disregard of all sensual enjoyment; stoicism.(7)

پلیٹس کی لغت ۱۸۸۴ء سے پانچ سال پہلے ۱۸۷۹ء میں فیلن کی لغت ہندوستانی-انگریزی سامنے آئی جس کی ترتیب میں سید احمد دہلوی کا بھی حصہ ہے۔ جابر علی سید کے مطابق اس لغت کی خصوصیت محاورات وامثال کی کثرت اور ادبی اصطلاحات کا فقدان ارادی ہے جس کمی کو پلیٹس پورا کرتی ہے۔ فیلن کی ادبی گریز پائی ایسی نمایاں ہے کہ پلیٹس اور مولوی عبدالحق دونوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ جابر علی سید نے ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے اعتراض کی صراحت یوں کی:

"یہ بہت اچھی لغت ہے۔ الفاظ کے ساتھ محاورات بھی دیے ہیں اور تشریح کے لیے انگریزی ادب سے مثالیں پیش کی ہیں۔" (۸)

جب کہ لغت کبیر کے مقدمے از ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا بہ غور مطالعہ کیا جائے تو ان کی رائے درج ذیل ہے:

"فالن نے یہ خاص اہتمام کیا ہے کہ الفاظ و محاورات کے استعمال کی سند میں عوام کے گیت، زبان زد ضرب الامثال اور فقرے اور اساتذہ کے اشعار نقل کیے ہیں لیکن اردو کے ادبی الفاظ کی طرف سے بے اعتنائی برتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی فارسی لفظ جو اردو زبان وادب میں عام طور پر مروج ہیں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایسے الفاظ محض فضیلت مآبی جتانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ زبان میں (خواہ وہ کوئی زبان ہو) ادبی الفاظ خاص اہمیت رکھتے ہیں اور کوئی لغت ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتی" (۹)

جابر علی سید یہ کہتے ہیں کہ پلیٹس اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق دونوں نے فیلن کے اس اقدام کو ناپسند کیا ہے۔ پلیٹس کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"پلیٹس نے اپنی فرہنگ کے دیباچے میں ڈاکٹر فیلن کے رد کردہ ادبی علمی الفاظ کی حمایت کی ہے اور بہ ظاہر ان کو شامل بھی کر لیا ہوگا۔ لیکن ان الفاظ کا پتہ نہیں چلتا کہ

کیا تھے۔ مولوی عبد الحق صاحب نے بھی اپنے مقدمہ، میں اس بات کا نوٹس لیا ہے اور پلیٹس ہی کی طرح فیلن کے اس وطیرے کو ناپسند کیا ہے کہ ادبی الفاظ علماو منشیان سجع پسند کے دور از کار اور عام زبان کے فنڈ سے دور اور غیر متجانس اصطلاحات سے عبارت ہیں۔ اس لیے ان کو شامل کرنا زبان کی مشکلات میں اضافہ کرنا ہے۔ خود مولوی عبد الحق صاحب نے ایسے الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ قیاس غالب یہ ہے کہ وہ علوم شعری (عروض، بیان، بدیع قافیہ وغیرہ) ہوں گے۔" [۱۰]

جابر علی سید کے اس بیان کا آخری جملہ قابلِ غور ہے اور تحقیق کی دعوت دیتا ہے لیکن پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فیلن کی لغت کے بارے میں پلیٹس کا بیان بھی درج کیا جائے جو یوں ہے:

"The Hindustani Dictionary of Fallon aims at a special object, distinct from that persued in the pages of this work: It aims, rather, at the collection of a particular class of words and phrases. Hundreds of words that occur Hindi and Urdu literature. Dr. Fallon thought proper to give no place to in his dictionary, because, from his point of view, they were pedantic. This must, necessarily, considerably diminish the of his book so far as students are concerned. The work is, notwithstanding one of considerable merit, and will, no doubt, be valued by scholars on account of the numerous proverbs and quotations from the poets which it contains."[11]

جابر علی سید جب قیاس کرتے ہیں کہ فیلن کی لغت میں جگہ نہ پانے والے الفاظ عروض، بیان، بدیع، قافیہ یعنی علوم شعری ہوں گے تو تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ فیلن نے Poem, Poetry, Poet, Poetry, Poetica, Poetic, Poetaster, Rhyme, Rhymeless, Rhythem, Rhythincalf کی قبیل کے الفاظ تو درج

کیے ہیں لیکن حقیقت ہے کہ ان عمومی اصطلاحات کے علاوہ خالص ترین ادبی اصطلاحات کی کمی محسوس کی جاسکتی ہے۔ دقت یہ ہے کہ جب پلیٹس اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق دونوں میں سے کسی نے فیلن کے رد کردہ الفاظ کی نشان دہی نہیں کی تو ان کی تلاش کیسے کی جاسکتی ہے۔

پلیٹس کی لغت کے معائب میں جابر علی سید نے تحقیقی حوالے سے ایک عیب یہ درج کیا ہے کہ اس لغت میں یائے مجہول اور معروف کا فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ لکھتے ہیں:

> "یہ امر اچنبھے کا ہے کہ ۱۸۸۴ء میں کوئی مصنف خصوصاً کوئی فرہنگ نویس یائے مجہول کی بجائے یائے معروف لکھے اور معنوی امتیازات کو مخدوش کرے۔ اوّل تو یہ انتہا درجے کی تقلید پرستی ہے کہ سو سال پہلے کی لکھی ہوئی فرہنگوں میں جب کہ یائے مجہول لکھنے کا رواج نہ تھا، گلکرائسٹ فرگوسن وغیرہ اور عہدِ پلیٹس و مینن میں اعراب کا کچھ فرق اور ارتقا نظر نہ آئے اور کلکتہ والوں کی لکیر کو پیٹے چلے جایئے۔ دوم یہ کہ اس اعرابی نظام سے جو معنوی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں ان کا بھی کچھ خیال نہ کیا جائے۔ فارسی بارے کو باری لکھا جائے اور اس بات سے صرفِ نظر کر لیا جائے کہ متوسط درجے کا طالب علم اس کے معنی عربی کے باری اور فارسی کے باری سے مغشوش کر سکتا ہے۔"(۱۲)

مزید لکھتے ہیں:

> "پلیٹس کا یہ فرسودہ اعرابی نظام اس کے چہرے پر بدنما داغ ہے فرسودگی اور قدامت میں فرق ہے۔"(۱۳)

کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ کے عنوان سے اس تصنیف کے آخر میں جناب وارث سرہندی نے حواشی و تعلیقات درج کیے ہیں جس میں پہلا تعلیقہ جابر علی سید کے اسی اعتراض کے جواب میں ہے جو یوں ہے:

> "ناقد (جابر علی سید) کی یہ بات ایک حد تک درست ہے، لیکن پلیٹس نے ہر لفظ کا تلفظ رومن رسم الخط میں بھی درج کیا ہے۔ اس لیے ایسی غلط فہمی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ فارسی "بارے" کو "باری" عربی رسم الخط میں لکھا گیا ہے، مگر رومن رسم الخط Bare میں بھی لکھا گیا ہے۔ اس لیے اس کو "بارے" پڑھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی موجودہ

طرزِ املا کے پیشِ نظر یہ واقعی ناہمواری ہے، مگر اس ناہمواری کی وجہ یہ ہے کہ پلیٹس کی لغت کی اشاعت سے بہت زمانہ بعد تک بھی عام تحریروں میں یائے معروف اور یائے مجہول میں تمیز نہیں کی جاتی رہی ان حالات میں اس خصوص سے پلیٹس کو معذور سمجھنا چاہیے۔ پلیٹس نے ترتیب میں الف ممدودہ اور الف مقصورہ میں بھی امتیاز نہیں کیا اور ان سے شروع ہونے والے الفاظ کو ایک ہی باب میں اکٹھا درج کیا ہے۔ الف ممدودہ و مقصورہ کے باب میں فرہنگِ آصفیہ میں بھی یہی روش اختیار کی گئی ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ کا چلن یہی تھا۔ چناں چہ ان کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔" (۱۴)

یائے مجہول و معروف کے ضمن میں پلیٹس کی لغت کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "باری" سات بار مختلف معانی کے ساتھ درج ہے اور ان سات میں سے چھ بار "باری" کو رومن رسم الخط میں "Bari" لکھا گیا ہے اور پانچ بار "باری" کے ساتھ ناگری رسم الخط میں بھی درج ہے جب کہ فارسی کے لفظ "بارے" کو "باری" لکھا گیا تو ساتھ رومن رسم الخط میں Bare درج کیا گیا ہے۔ (۱۵) اس ضمن میں یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ Bare کو "بیئر" بھی پڑھا جا سکتا ہے لیکن پلیٹس کے انداز سے واقفیت ہو جائے تو Bari اور Bare میں فرق روا رکھا جا سکتا ہے۔

ایک ایک لفظ کی توضیح کرتے ہوئے جابر علی سید نے پلیٹس کی لغت کا تجزیہ کیا ہی ہے لیکن اس کی لسانی اہمیت پر اس کے تعارف میں بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ جابر علی سید لکھتے ہیں کہ پلیٹس نے ہندی اور پراکرت کے مابین بیٹی اور ماں کا تعلق قائم کیا ہے اور یہ خیال بھی عام مگر گم راہ کن ہے کہ سنسکرت اور ہندی کے درمیان بھی ماں اور بیٹی کا رشتہ ہے۔ (۱۶) دراصل پلیٹس نے یہ بات واضح طور پر نہیں لکھی بل کہ طریقِ کار کی وضاحت کے کچھ جملوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے جس کی نشان دہی جابر علی سید نے کی ہے۔ مثلاً پلیٹس نے لکھا ہے:

In the vast majority of instances, not being able to discover the Prakrit source of a Hindi word, I have contented myself by giving (what I considered to be) the Sanskrit equivalent alone. There are, however,

innumerable instances of Hindi words (of comparatively recent date) being simply corruptions of Sanskrit words; So that in the case of there the Sanskrit original is all that is required. (۱۷)

پلیٹس کے ان جملوں سے اس کے مطابق سنسکرت ہندی اور پراکرت کے تعلق پر روشنی پڑتی ہے۔ جابر علی سید کا موقف یہ ہے کہ ہندی کے بیش تر الفاظ سنسکرت کے الفاظ کی مخفف صورتیں ہیں۔ یوں تو انگریزی زبان میں بھی یونانی اور لاطینی زبان کے بہت سے الفاظ مخفف یا مرخم حالت میں ملتے ہیں۔ کسی ایک زبان کا دوسری زبان سے نکلنا محال بات ہے اگر ہندی نے سنسکرت زبان سے ادبی علمی اصطلاحات اور دوسری نوع کے الفاظ لے کر ان میں آسانی اور سلاست پیدا کر لی تو اس طرح وہ اس کی بیٹی نہیں بن جاتی بل کہ مستفید زبانوں کے زمرے میں آتی ہے۔ آسانی کے لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ پراکرت قدیم اور ہندی جدید ہے۔ جابر علی سید کے خیال میں ۱۸۸۴ء تک اردو زبان کے بارے میں جو نظریات سامنے آ چکے تھے۔ پلیٹس کو ان کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔ (۱۸) جابر علی سید نے لغت اور فرہنگ نویسی میں مستشرقین کی کاوشوں کو بارہا سراہا ہے مثلاً وہ فرہنگِ آصفیہ کا تفصیلی تعارف پیش کرتے ہیں تو پلیٹس اور شیکسپیئر کی لغت کو اس پر کچھ یوں ترجیح دیتے ہیں:

> "فرہنگ (فرہنگِ آصفیہ) میں ہندی الفاظ کا ذخیرہ بہ نسبت پلیٹس و جان شیکسپیئر وغیرہ کے بہت کم ہے بل کہ بعض سامنے کے ہندی لفظ جنھیں ایک اعتبار سے یورپی کہنا زیادہ مناسب ہو گا مثلاً چٹکارنا بہ معنی جانوروں کو بلانے کی آواز، فرہنگ سے غیر حاضر ہے لیکن جان شیکسپیئر اور پلیٹس میں موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مستشرقین بہ نسبت ہمارے اردو لغت نویسوں کے ہندی اور ژند یا ژند اوستا وغیرہ کا علم زیادہ رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی فرہنگوں کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان سے دیوناگری رسم الخط اور ہندی و سنسکرت کے الفاظ بہ آسانی سیکھے جاسکتے ہیں۔" (۱۹)

جابر علی سید نے پلیٹس کی لغت اور فرہنگِ آصفیہ کے الفاظ کا محاکمہ کرتے ہوئے عربی، فارسی اور اردو لسانیات کے ساتھ ساتھ تاریخی و لسانی حقائق کو بھی مد نظر رکھا ہے۔ وارث سرہندی نے الفاظ کے اس محاکے پر حواشی و تعلیقات رقم کیے ہیں جو اسی جائزے کے آخر میں شامل اشاعت ہیں۔ ایک مستشرق کی لغت ہونے کی وجہ

سے جابر علی سید، پلیٹس کی لغت میں کچھ زیادہ الفاظ کے محاکے کی گنجائش محسوس کر پائے جن کی تعداد ۱۷۳ ہے جب کہ فرہنگِ آصفیہ کے صرف ۱۲ الفاظ کا محاکمہ پیش کیا ہے۔ حواشی و تعلیقات پر نظر ڈالی جائے تو جابر علی سید کے محاکے میں سے پلیٹس کی لغت کے ۷۹ اور فرہنگِ آصفیہ کے صرف ۳ (تین) الفاظ پر تعلیقات درج کیے گئے ہیں۔ جابر علی سید کے تحقیقی و تنقیدی انداز کو لفظ 'تجرد' اور 'تجرید' کے ضمن میں 'پلیٹس' کی لغت کے اقتباس کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے:

> "تجرد Tajarrud [inf.n. v of جرد 'to strip, denude'], s.m. stripping or denuding oneself; cutting oneself off from society, living in solitude; solitude; celibacy.
>
> تجرید Tajrid ['inf. n. ii of جرد; of tajarrud], s.f. stripping, denuding, divesting (of); separating (a thing from another); separation, solitude; celibacy" (20)

جابر علی سید نے ان دونوں لفظوں کا ذکر تعارف کے علاوہ تجزیے میں بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "اس (پلیٹس) نے تجرد اور تجرید دونوں کے معنی Celibacy بتائے ہیں (عدم تاہل) فرہنگ آصفیہ میں بھی اگرچہ دونوں کے معنی تنہائی، علیحدگی بتائے ہیں لیکن عدم تاہل یا کنوارا رہنا کے معنی نہیں بتائے اور اپنی حدود کے اندر رکھا گیا ہے۔ تجرد پسند کو تجرید پسند کہنا اتنا ہی غلط ہے جتنا کسی تجرید پسند (مصور یا شاعر) کو تجرد پسند قرار دینا" (۲۱)

جابر علی سید نے پلیٹس کی لغت میں مندرج الفاظ کا کئی لحاظ سے جائزہ لیا ہے۔ یوں ان کے اس تحقیقی و لسانی جائزے کو لسانیات اور تحقیق کے بنیادی دائروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ صورت کچھ یوں بنتی ہے کہ تحقیق، تاریخ، اشتقاق اور ادبی امثال پیش کر کے الفاظ کی اصل بتائی گئی ہے۔ جابر علی سید قواعد کی رو سے الفاظ کا جائزہ لیتے ہیں تو اشتقاقی مسائل کو اس طرح حل کرتے نظر آتے ہیں :

> "ابداً: اس کے دو معنی لکھے ہیں ا۔ "ہمیشہ کے لیے ۲۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں" پہلے معنی صحیح ہیں لیکن دوسرے غلط ہیں جب تک ابداً کے بعد نون نافیہ نہ لگایا جائے اس کے معنی

ہر گز نہیں کے کبھی نہ ہوں گے۔ اس کا استعمال جدید فارسی میں ہے اردو محاورہ میں نہیں۔"(۲۲)

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لغات کے اس تجزیے کی ایک ایک خصوصیت کے تحت جابر علی سید کی تحریر سے اقتباس پیش کر دیا جائے۔ زبان کا تعلق تاریخ سے گہرا ہے اور تاریخی حقائق الفاظ کے استناد میں تقویت کا باعث بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس تجزیے کے تحقیقی دائرے میں تاریخی حقائق کے زبان پر اثر کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان تاریخی حقائق کی نوعیت لسانی ہے اور جابر علی سید نے لسانی ارتقا کو پیش نظر رکھا ہے۔ مثلاً لفظ "دق" کی معنوی تصحیح کے طویل بیان میں سے چند سطور درج ذیل ہیں:

"تپ دق کا ترجمہ Hectic fever کیا ہے لیکن Hectic fever شدید نوع کے بخار کو کہتے ہیں۔ مولف انیسویں صدی کی انگریزی لکھتے ہیں۔ جو کئی لحاظ سے متغیر ہو چکی ہے۔ Hectic کا ایک اور مثالی لفظ Hectic Activity ہے۔ اس میں بھی Hectic شدید اور سخت کے معنوں میں ہے۔ انیسویں صدی میں Activity کا لفظ حرکیت کے معنوں میں متداول تھا۔ بیسویں صدی میں اس کے ایک معنی سرگرمی (ادبی، سیاسی، معاشرتی وغیرہ) ہو چکے ہیں۔ مقصد پلیٹس کی اصلاح نہیں بل کہ ایک صدی میں پیدا ہونے والے معنوی تغیرات کی نشان دہی کرنا ہے۔" (۲۳)

پلیٹس کی یہ لغت اردو کلاسیکی ہندی اور انگریزی لغت ہے جس کے الفاظ کے محاکے میں جابر علی سید نے الفاظ کی اصل تلاش کرنے کے سلسلے میں عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی، ترکی اور پنجابی کے لسانی ذخائر کو کھنگالا ہے۔ مثلاً پلیٹس نے لفظ "دفر قلیہ" کی ذیل میں یوں لکھا ہے:

"دفر قلیہ dafar-qalya} قلی 'to cook; &c.} s.m. An aboniable mess, tasteless victuals, a dish in which much broth, vegetables, &lc. are mixed to make it go further, wich wash."(24)

جابر علی سید اس لفظ کے محاکے میں لکھتے ہیں:

"دفرقلیہ: اس کے معنی پتلا شوربہ ہیں۔ مولف اسے فارسی بتاتے ہیں۔ یہ فارسی نہیں بل کہ ترکی ہے اور بڑا قاف اس کی گواہی دے رہا ہے۔ مولف فارسی میں دخیل ترکی لغات (الفاظ؟) کو فارسی بتاتے ہیں اور ان کی مخصوص صوتیات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ترکی کا قاف عربی کے قاف سے جزواً صوتی مماثلت رکھتا ہے اور اس کا اثر یورپی زبانوں میں بھی ہوا ہے۔ چناں چہ Opaque وغیرہ قسم کے الفاظ کا آخری Que ترکی سے گیا ہے۔ کچھ حضرات اسے عربی کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ قطعی تحقیق ابھی باقی ہے۔" (۲۵)

پلیٹس نے یہ نہیں لکھا کہ یہ لفظ فارسی کا ہے۔ جابر علی سید کا یہ اندازہ اس لیے درست تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ پلیٹس نے عربی اور فارسی الفاظ کے ساتھ ہی ان کا تلفظ رومن حروف میں واضح کیا ہے۔ الفاظ کا یہ تحقیقی و لسانی محاکمہ بہت اہمیت کا حامل ہے کہ بعض مقامات پر انھوں نے الفاظ کے درست معانی کی تصدیق کرتے ہوئے معلومات میں مزید اضافہ کیا ہے۔ مثلاً لفظ "جلابھ" کی ذیل میں دو سطور لکھ کر تحقیقی نکتہ بیان کرتے ہیں:

"جلابھ: (ہندی) بہ معنی بافندہ۔ یہاں صرف اس قدر اضافہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی مفرس صورت جولہ ہے جو امیر خسرو دہلوی نے اپنی اخلاقی مثنوی 'مطلع الانوار' میں برتی ہے۔" (۲۶)

کسی ایک لفظ کے محاکمے میں اس کا تعلق مختلف شعبہ ہائے زندگی اور علوم و فنون میں بھی تلاش کرتے ہیں۔ یوں پلیٹس کی لغت کے تجزیے کے ساتھ جابر علی سید کی تحقیقی و تنقیدی رائے بھی سامنے آتی ہے۔ لفظ "جابر" کی تحقیق میں یہی خصوصیت نظر آتی ہے۔ لکھتے ہیں:

"جابر: (ع) اس لفظ کے معنی صرف جبر کرنے والا مستبد وغیرہ لکھے ہیں جو متداول و معروف ہیں۔ لیکن بہ معنی ہڈی جوڑنے والا اور تلافی مافات کرنے والا بالکل نظر انداز کر دیے ہیں۔ حالانکہ مصدر جبران جو جبرانِ مافات میں ہے تلافی کے معنی دے رہا ہے۔ الجبر و المقابلہ۔ Algebra میں جبر علامات و رقوم کو ملانے اور آمنے سامنے لانے کا علم ہے۔ کم از کم اس کو پیش نظر رکھ لیا ہوتا۔ اس قسم کے محذوفات اور فروگذاشتوں سے کوئی فرہنگ بھی عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے۔" (۲۷)

جابر علی سید نے اس لسانی تجزیے میں ادبی اشعار و امثال کو ان کے ادبی و تاریخی پس منظر کے طور پر پیش کیا ہے جو امر الفاظ کے ادبی استناد کا باعث بنتا ہے۔ ویسے تو فرہنگ اور لغات میں لفظ کے استعمال کے سلسلے میں استشہاد اشعار اور نثری اقتباسات ہی سے پیش کیا جاتا رہا ہے لیکن جابر علی سید نے تنقیدی انداز میں تحقیقی پہلو شامل کر دیے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ لفظ "دم" کے محاکے میں ادبی شعری اسناد کس طرح مہیا کرتے ہیں:

"دم (فارسی) اس کے متعدد معانی بتائے ہیں سانس، لمحہ، پانی کا گھونٹ، ہوا کا جھونکا Whiff دھوکا فریب وغیرہ لیکن بہ معنی بہار کی دھونکنی نہیں درج کیا۔ کاوہ آہن گر کی تاریخ اور درفش کاویانی کی ساخت میں دم ہی کام آئی تھی۔ مولف نے دم دادن دم دینا محاورہ دیا ہے۔ بہ معنی دھوکا دینا اور اسے بہ یک وقت فارسی اور ہندی گردانا ہے۔ دم دادن فارسی محاورہ ہے اور دم دینا اس کا ہندی ترجمہ آغا شاعر قزلباش دہلوی کا ایک مطلع ہے:

پی پلا کر اسے رحمت کی قسم دیتے ہیں
کیسے بندے ہیں کہ اللہ کو دم دیتے ہیں

اور اقبال کہتے ہیں:

آیا ہے تو جہاں میں مثال شرار دیکھ!
دم دے نہ جائے ہستی ناپائیدار دیکھ!

دم دلاسا مرکب ترافی ہے جس میں دل دہی کے معنی ہیں۔ دلاسا اصل میں دل آسا یعنی دل کو آسودہ کرنے والی بات مد کو ترکیب فاعلی میں اڑا دیا گیا۔ ساتھ ہی ہم آغازی یعنی Alliteration بھی پیدا ہو گئی جو نثری اور عام گفتگو کے آہنگ کی خالق ہے۔ مولف نے دلاسا کو اس کی قواعدی املا سے لکھا ہے یعنی "DIlA'SA (۲۸)

اس طویل اقتباس میں جابر علی سید کے اس محاکے کی تمام تر خصوصیات سمٹ آئی ہیں کہ وہ لفظوں کی اصل بتانے کے ساتھ ان کے استعمال، محاوراتی بندش اور اشتقاقی عمل پر بھی بحث کرتے ہیں اور پھر سند کے طور پر اشعار کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ لسانی حوالے سے الفاظ کا املا بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس محاکے میں جابر علی سید نے املائی خصائص کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ مثلاً لفظ "خورشید" کے تلفظ کے حوالے سے پلیٹس نے یوں اندراج کیا ہے:

"خورشید Khwurshed, Khwurshaid (old P. Khvarshed; Pehl. Khvar-shet; Zend Hvare + Khshaeta; S. Svar + Kshit), S.M. The Sun (=Khwur): - Khwurshaid-ru, adj. Have Countenance as bright and dazzling as the sun." (۲۹)

اس لفظ کے محاکے کی ذیل میں جابر علی سید املا سے تلفظ کی تصحیح کا تعین یوں کرتے ہیں:

"خورشید:(فارسی)اس کے تین مزید تلفظ اور املا درج کیے ہیں:

خرشید

خورشید

خورَشید

ان میں پہلا روپ یعنی خورشید اب فارسی اور اردو دونوں میں مقبول ہے لیکن رومن حروف میں اس طرح لکھا ہے (Khwurshid , Khwarshid) بھی لکھتے تو قدرے صحیح تھا۔ اس طرح احساس رہتا ہے کہ فارسی املا میں واو معدولہ تاہم واو معدولہ اگر درج کرنا ہے تو پھر اس کی ایک خاص علامت مقرر کر دینی چاہیے یا پھر (Khurshid)لکھنا چاہیے جو مروّجہ تلفظ سے کامل مطابقت رکھتا ہے۔" (۳۰)

کچھ الفاظ کے ضمن میں جابر علی سید غلط تفہیم کا بھی شکار ہوئے ہیں یعنی الفاظ کے وہ معنی جو پلیٹس کی لغت کے حوالے سے درج کرتے ہیں۔ وہ سرے سے پلیٹس کے ہاں مندرج ہی نہیں یوں جابر علی سید کے موقف کی وضاحت دشوار ہو جاتی ہے۔ مثلاً لفظ 'دوبھر' کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

"دوبر، دوبھر: اس کے تین معانی درج کیے ہیں:

۱۔ مشکل کام

۲۔ سخت گیر آدمی

۳۔ کابوس Night Mare

دوبھر میں بھر بھاری کا مخفف ہے جو دشواری کا مفہوم دے رہا ہے۔ کابوس عربی کا لفظ ہے۔ اس میں بھی بھاری بوجھ سینے کا ہے، جو دورانِ خواب محسوس ہوتا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے 'بہارستان' کی ایک نظم میں کابوس کا لفظ برتا ہے:

آ پہنچا لاہور میں روس
شملے کی چھاتی کا کابوس

دو بھر کے معنی نمبر ۲ یعنی سخت گیر آدمی میں بھی دوسروں کے لیے دشواری پیدا کرنے والے کا مفہوم ظاہر ہے۔ دو بھر ایک قیمتی اور رنگارنگ لفظ ہے اور قابلِ قدر اخلیطِ معانی کا حامل ہے"(۳۱)

پلیٹس کے اصل الفاظ دیکھیں تو اس میں مطلب بالکل ہی جدا ہیں۔ متن ملاحظہ ہو:

> دو بھر " Dubhar , adj & s.m. Difficult to be borne, difficult, burdensome, troublesome, trying; .... a burden, a trial, a troublesome person, an incubus." (۳۲)

پلیٹس کے اس اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کابوس یا Nightmare لفظ دو بھر کے مطالب میں کہیں بھی درج نہیں۔ اسی طرح لفظ "دھلینڈی" اور "دول" کی تفہیم میں بھی سقم نظر آتا ہے۔

پلیٹس کی لغت کے تعارف میں جابر علی سید نے اس لغت کے محاسن و معائب پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ الفاظ کی تحقیق میں بھی وہ صحتِ الفاظ کا خیال رکھنے پر پلیٹس کی تعریف کرتے ہیں کہ لفظ 'رباعی' کے بیان میں پلیٹس نے بہت تفصیل سے اس کے معانی اور انگریزی مترادفات بیان کر دیے ہیں۔

جابر علی سید نے پلیٹس کی لغت اور فرہنگِ آصفیہ کے الفاظ پر اس محاکے میں اپنی لسانی، تاریخی اور ادبی علوم پر مہارت کے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔ الفاظ کا تلفظ ان کے معانی و مفاہیم کا تعین کرتا ہے۔ اس سلسلے میں جابر علی سید نے لفظوں کے قدیم و جدید املا کے مباحث کو بھی اپنے محاکے کا حصہ بنایا ہے۔ مثلاً پلیٹس نے لفظ "پائندہ" کو ہمزہ کے بغیر "پایندہ" لکھا ہے۔ اس ضمن میں جابر علی سید تاریخی، معاشرتی اور ادبی تحریکوں کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بتاتے ہیں:

> "ایران میں تحریکِ استخلاص فارسی بہ صورت فارسی سرہ (خالص فارسی) اگرچہ رضا شاہ پہلوی کے حکم سے اٹھی تھی۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے (دہے) میں لیکن اس سے کچھ عرصہ پہلے ہی جدید تلفظ اور املا کی ترویج ہو چکی تھی۔ جزوی طور پر ہی سہی علی اصغر حکمت تہرانی نے اس تحریک پر ایک مختصر کتاب لکھی ہے۔ یہ نام "فرہنگستان" کہ یہی اس ادارے کا نام تھا جس کا کام فارسی زبان کو عربی عناصر سے

> پاک کرنا تھا۔ ایران میں یہ تحریک ترکی کی اس نوع کی تحریک مصطفی کمال پاشا کے زیرِ تاثر اٹھی تھی۔ پاشا کی یہ تحریکِ ملی رومن رسمِ خط کی حامی تھی اور اس پر عمل درآمد بھی ہوا۔ لیکن تحریک فرہنگستان نے خطِ نسخ سے روگردانی کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ آج پائندہ اور آئندہ کا جوئندہ کا املا پاینده، آینده اور جوینده ہے اور تلفظ پایندے، آیندے، جویندے ہے۔ لیکن آخر کی یائے مجہول خفیف اور کسرے کے قریب ہے۔ پاکستان میں جو جدید فارسی پڑھائی جاتی ہے وہ فرہنگستان کی مقلد ہے اور پاک ایران تعلقات اورآمد و رفت کی زیادتی سے پاکستان میں عام طور پر مدارس میں یہی رجحان ہے۔ تاہم اردو والوں نے ابھی تک فارسی کلاسیکی ہی کا انداز قائم رکھا ہے۔ چناں چہ ہمارے جدید فارسی خواں طلبہ اور اردو بولنے والے دو مختلف قسم کے املاوں اور تلفظوں سے دوچار ہیں اور اس پر قناعت کیے ہوئے ہیں۔" (۳۳)

گویا قدیم اور جدید فارسی کے املا اور تلفظ کے تعین میں تاریخی حقائق اور تحریکوں کے زبان و املا پر اثرات کے تحت جابر علی سید نے جس طرح اپنی تحقیق کو پیش کیا ہے، اس سے ان کا لسانیات سے گہرا شغف واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ فرہنگِ آصفیہ کے تحقیقی و لسانی جائزے کے ضمن میں جابر علی سید نے تحقیق کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ اس لغت کے محاسن و معائب کو گنوا سکیں۔ پلیٹس کی لغت کے جائزے میں جابر علی سید نے لغتِ کبیر کے مقدمہ از ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا حوالہ دیا ہے۔ مفید معلوم ہوتا ہے کہ جابر علی سید کے تحقیقی بیان سے پہلے ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی رائے درج کر دی جائے جو درج ذیل ہے:

> "اردو لغات پر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع اور مکمل اور سب سے کارآمد مولوی سید احمد دہلوی کی فرہنگِ آصفیہ ہے۔ اس کا کچھ حصہ اوّل اوّل ارمغانِ دہلی کے نام سے بالاقساط شایع ہوا۔ اس کے بعد ہندوستانی اردو لغت کے نام سے پہلی جلد ۱۸۸۷ءمیں شایع ہوئی۔ بعدازاں نظام گورنمنٹ کی سرپرستی اور ہنرپروری کی بہ دولت فرہنگِ آصفیہ کے نام سے موسوم ہوئی اور چار ضخیم جلدوں میں شایع ہوئی۔ قابل مولف کے سامنے ڈاکٹر فیلن کی لغت کا نمونہ موجود تھا اور وہ خود بھی اس کی ترتیب میں شریک تھے لیکن ان کی لغت بالکل جدا چیز ہے۔ ایک تنہا شخص جس

قدر محنت، کاوش اور تحقیق کر سکتا ہے۔ انھوں نے اس کا حق ادا کیا اور ایسا بڑا کام کیا کہ اردو زبان ہمیشہ ان کی زیر بار منت رہے گی۔ گو الفاظ کی تحقیق میں غلطیاں بھی ہیں۔ بہت سے لفظ اور بعض محاورے بھی چھوٹ گئے ہیں، زمانہ حال کی رو سے بہت کچھ اضافے کی ضرورت ہے، بعض جگہ بے جا طویل نویسی سے کام لیا ہے۔ تاہم یہ کتاب ایسی ہے کہ مولف کو داد نہ دینا ظلم ہو گا۔ اس کتاب کے پڑھتے وقت کبھی تو بے تحاشا ہنسی آتی ہے اور کبھی غصہ، مولف نے فحش الفاظ اور محاوروں کے جمع کرنے میں خاص اہتمام کیا ہے۔ یہ ڈاکٹر فیلن کا فیض صحبت معلوم ہوتا ہے۔" (۳۴)

ڈاکٹر مولوی عبد الحق کے درج بالا بیان میں اہم بات یہ کہ سید احمد دہلوی ڈاکٹر فیلن کی لغت کی تیاری میں شریک رہے لیکن فرہنگِ آصفیہ ان کی ذاتی کاوش ہے۔ جابر علی سید نے فیلن سے اثرات اور پنجابی اور ہندی مشترک الفاظ کی اصل کی تحقیق نہ کرنے کی روش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس سلسلے میں یہ امر افسوس ناک معلوم ہوتا ہے کہ فرہنگِ آصفیہ کے فاضل مولف بھی پلیٹس اور فیلن کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور کسی موقع پر بھی ان عناصر کی اصل کا سراغ لگانے کی کوشش نہیں کرتے۔" (۳۵)

تاہم ڈاکٹر مولوی عبد الحق اور جابر علی سید کے بیان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ فرہنگِ آصفیہ کو فیلن کی لغت کا چربہ مانتے ہوں، انھوں نے صرف نقشِ قدم اور صحبت کے اثر کا ذکر کیا ہے۔ فرہنگِ آصفیہ جلد اوّل میں عملہ ادارت کی طرف سے جو تحریر شامل اشاعت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سید احمد دہلوی تقریباً سات سال (۱۸۷۳ء تا ۱۸۷۹ء) تک ڈاکٹر ایس۔ ڈبلیو۔ فیلن کی ملازمت میں دیناپور رہے اور اس کی انگریزی / اردو (۱۸۸۳ء) اور اردو / انگریزی (۱۸۷۹) لغات کی تدوین میں ہاتھ بٹایا۔ (۳۶)

فرہنگِ آصفیہ کی جلد چہارم کے آخر میں موجود تقاریظ، مکاتیب اور تہنیت ناموں پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ "فرہنگِ آصفیہ" کی اشاعت کے وقت یہ ایک گرم موضوع رہا ہے کہ فرہنگِ مذکور فیلن کی لغت کا چربہ ہے یا نہیں۔ اس ضمن میں جلد اوّل کی تمہید میں مندرج اقتباسات بھی قابلِ غور ہیں جو جلد چہارم کے آخر سے لیے گئے ہیں۔ مثلاً:

"گو یہ ظاہر یہ (فرہنگِ آصفیہ) ڈاکٹر فیلن کی بڑی ڈکشنری کی طرز اور بنا پر لکھی گئی ہے اور غالباً بہت سی مثالیں دونوں میں ایک ہی ہیں لیکن مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ "ارمغانِ دہلی" میں اصطلاحیں اور محاورے زیادہ ہیں۔" (۳۷)

مولوی سید احمد دہلوی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"یہ بدگمانی بھی بعض افسران سر رشتہ تعلیم میں پیدا ہوئی تھی کہ سید احمد جو اردو ڈکشنری چھاپ رہا ہے، یہ ایس۔ ڈبلیو۔ فیلن صاحب بہادر کی کتاب سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔" (۳۸)

جلد چہارم ہی میں فیلن کا ایک مراسلہ شامل کیا گیا ہے جس میں وہ رقم طراز ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ میری ہندوستانی انگریزی ڈکشنری کے بہت سے فقرے اور مثالیں مولوی سید احمد کی اردو ڈکشنری میں پائی جائیں گی۔ دونوں تصنیفوں کے مقاصد میرے نزدیک ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں" (۳۹)

درج بالا تینوں اقتباسات سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ فرہنگِ آصفیہ فیلن کی لغت کا چربہ ہے۔

جابر علی سید نے فرہنگِ آصفیہ کے طویل مقدمے کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے اس کے محاسن و معائب گنوائے ہیں۔ طویل مقدمے کو اردو زبان کی پیدائش اور ترقی، اردو زبان کی بالترتیب تصنیفی ترقی، انسان کی ابتدائی، درمیانی اور اخیر زبان، اور سبب تالیف کے زیرِ عنوان تقسیم کیا گیا ہے۔ جابر علی سید نے بھی عنوانات کے تحت اس کا جائزہ پیش کیا ہے۔

اردو لسانیات کے زیرِ عنوان جابر علی سید نے اردو زبان کے مولد و منشا کے حوالے سے نظریات نکات وار پیش کیے ہیں لیکن وہ حافظ محمود شیرانی کے پنجاب میں اردو کے نظریے سے متفق نہیں۔ اپنا اعتراض یوں واضح کرتے ہیں:

"پنجاب میں اردو کا نظریہ اس بنا پر قابل قبول نہیں کہ فاضل مصنف نے کسی مرحلے میں اور کسی مقام پر یہ نہیں بتایا کہ جب بقول ان کے غوری سلاطین نے لاہور کی بجائے دلی کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو اس وقت دلی میں کون سی زبان رائج تھی۔ یہ خیال انتہائی غیر منطقی ہے کہ اہلِ پنجاب کی زبان اس عہد میں پنجابی ہوتے ہوئے دلی پہنچتے

پہنچتے اردو میں کس طرح بدل گئی۔ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ دورانِ تبدیلی دارالخلافہ پنجابی مبدل بہ اردو ہو گئی۔۔۔ اور دوسرے موقع پر یہ لکھتے ہیں کہ اردو دلی اور آس پاس کے علاقے کی زبان ہے اور یہ زبان اہلِ پنجاب والے تبدیلیِ دارالخلافہ کے وقت اپنے ساتھ دلی لے گئے ہوں گے۔"(۴۰)

اس اختلاف کے بعد جابر علی سید اپنا موقف مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت اب بالکل واضح ہو چکی ہے کہ اردو زبان جہاں بھی گئی لکھنو، بہار، کلکتہ اور پنجاب وہ اپنے اصل وطن دلی اور میرٹھ ہی سے گئی اور اس کے لے جانے والے ہاتھ دلی کے بڑے حکام (برہان الملک سعادت خان بانی سلطنتِ اودھ) تھے یا صوفیا کرام اور تاجر حضرات، دکن میں اردو کو لے جانے والے لوگ دلی کے افواج و حشم اور سکونت پذیر ان تھے۔ رانی پرتھا دیوی نے جو خط 'ہندی' زبان میں اپنے بیٹے کے نام لکھا تھا اس کی زبان کو آج ہم بہ جز چند الفاظ کے اردو کہہ سکتے ہیں۔" (۴۱)

رانی پرتھا دیوی کے مذکورہ خط کو دیکھیں تو جابر علی سید کا موقف واضح ہو جاتا ہے۔ اس خط کا متن ملاحظہ ہو:

"سری حضور سمر (جنگ) میں مارے گئے اور ان کے سنگ رشی کیش جی بھی بیکنٹھ کو پدھارے ہیں۔ رشی کیش جی ان چار لوگوں میں سے ہیں جو دلی سے میرے سنگ دہیز (جہیز) میں آئے تھے۔ اس لیے ان کے بنسجوں (کنبہ والوں) کی خاطری (خاطر داری) راکھنا۔ نے (اور) پاچھے مار اچیاری گراں (چاکری گر یعنی نوکر چاکر) منشاں (آدمیوں) کی خاطری راکھجو۔ ای (یہ) مار اجیو کا چاکر ہے جو تھا سو (تم سے) کدی (کبھی) حرام خوری نیوے گا (حرام خوری نہیں کرے گا)" (۴۱)

فرہنگِ آصفیہ میں بعض ایسے الفاظ کو ہندی الاصل قرار دیا گیا ہے جو پنجابی اور ہندی میں مشترک ہیں۔ جابر علی سید نے ایسے الفاظ کی تاریخی و لسانی اصل بتاتے ہوئے تحقیقی نکتہ بیان کیا ہے کہ ایسے الفاظ جو پنجابی اور ہندی میں مشترک ہیں لیکن ان کی اصل ہندی بتائی جاتی ہے۔ ان الفاظ کی کہانی ان کے مطابق یہ ہے:

"کسی نامعلوم تاریخی دور میں علاقہ پنجاب کے باشندے مشرقی علاقوں دلی، یوپی وغیرہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ دلی میں ان کی زبان کے چند لفظ اردو میں دخیل ہوئے اور یو پی کے بعض مقامات میں بھی۔ لیکن یوپی میں اردو کی مہاجرت (تجارتی سفر) سے قبل یا قریبی ماضی میں جب ہندی یا پوربی اور برج بھاشا کا زور اور رواج تھا یہ پنجابی، ہندی مشترک الفاظ مقامی ہندی میں دخیل ہو کر 'ہندی' قرار دے دیے گئے۔ کلکتہ کے للو لال جی نے انھیں اپنی وضعی ہندی تصنیف 'پریم ساگر' میں برتا اور ہندی اور سنسکرت کے لغت نگاروں اور ان کی تقلید میں مستشرقین نے انھیں ہندالاصل مان کر اپنی فرہنگوں میں داخل کیا۔ ان میں جان گلکرسٹ، فوربس، ہنٹر، جان شیکسپیئر، پلیٹس وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندی دانوں کی علمی اوّلیت نے ان مشترک الفاظ کو بجائے مشترک قرار دینے کے جو لغت میں ناممکن لیکن دیباچوں میں بالکل ممکن ہے، ان پر ہندی کا ٹھپہ لگا دیا۔ پنجابی بولنے والوں کے تساہل اور علمی پس ماندگی نے اس فیصلے کے خلاف کبھی احتجاج نہیں کیا جو ان کا کلچری فریضہ تھا۔" (۴۳)

یوں جابر علی سید نے فرہنگِ آصفیہ کے خصوصی تجزیے کے ساتھ ساتھ لسانیات کے عمومی مباحث پر بھی تحقیقی آرا کا اضافہ کیا۔ جب وہ پلیٹس کی لغت کا تجزیہ کرتے ہیں تو اس ضمن میں بھی لسانی علوم کو ضروری سمجھتے ہیں کہ پلیٹس کو اردو کے ابتدائی نظریات کے بارے میں پتا ہونا چاہیے تھا لیکن فرہنگ آصفیہ کے تجزیے میں لسانیات، تقابلی صوتیات، قواعد اور بیان و بدیع کے مسائل سے واقفیت کو بہ درجہ اتم ضروری قرار دیتے ہیں۔ لسانیات اور تقابلی صوتیات کے زیر عنوان وہ بیان کرتے ہیں کہ سید احمد دہلوی صاحب نے ہر حرف کی متبادل صورت درج کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جوں جوں آگے بڑھتے ہیں یہ مثالیں کم ہوتی جاتی ہیں قواعد کے ضمن میں یوں اعتراض وارد کرتے ہیں:

"درد انگیز اور درد مند اور اسی قبیل کے سیکڑوں لفظوں کو بجائے اسم فاعل بتانے کے اسم صفت کے طور پر درج کیا گیا ہے اور دونوں کے لازمی امتیاز سے قطع نظر کر لیا گیا ہے۔ اسم فاعل اسم کی قسم بہ اعتبار بناوٹ کے اور صفت بہ اعتبار معنی کے ہے، اس لیے اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر مذکورہ الفاظ کو محض اسم بتایا جاتا تو غلط ہوتا اسم

صفت بتانے سے یہ گمان گزرتا ہے کہ مولف اسم صفت اور اسم فاعل میں فرق کو نہیں
جانتے اور یہ بڑا سوء ظن ہے" (۴۴)

علم عروض پر جابر علی سید کو کمال مہارت حاصل ہے۔ لسانی و عروضی مقالات کے عنوان سے مجموعہ مضامین ہو یا مختلف ادبی رسائل میں عروضی مکاتیب انھوں نے علم عروض کی اصل عربی، فارسی عروضی اصول اور پنگل پر اس طرح لکھا ہے کہ تقابلی صورت حال سامنے آجاتی ہے۔ جابر علی سید نے عروض کے حوالے سے غیاث اللغات کے مولف پر بھی اعتراض کیا ہے جس کا تفصیلی ذکر عروضی مقالات کی ذیل میں کیا جائے گا۔ فرہنگ آصفیہ کے مولف پر عروض کے ضمن میں جابر علی سید کو یہ اعتراض ہے کہ وہ بھی بیش تر زبان دانوں کی طرح رباعی اور قطعہ کے اوزان کا فرق ملحوظ نہیں رکھتے۔ لفظ "اولیا" کے تحت سرمد شہیدؒ کی چند رباعیات درج کی گئی ہیں جابر علی سید کے مطابق ان میں سے پہلی کو رباعی قرار نہیں دیا جاسکتا وہ شعری قطعہ ہے (۴۵) پھر اس کی مخصوص اوزان پر تقطیع بھی کر دی ہے۔ مذکور قطعہ حسبِ ذیل ہے :

بروزِ حشرِ الٰہی چوں نامہ عملم
کنند باز کہ آں روز باز خواہ من است
بکن مقابلہ آنرا ز سر نوشت ازل
اگر زیاد و کمی باشد آں گناہ من است

جابر علی سید نے رباعی اور قطعے کے عروضی تنازعے پر ایک سے زائد بار لکھا ہے خصوصاً کلام اقبال کے فنی جائزے پر مشتمل مقالات میں بابا طاہر عریاں، علامہ اقبال، عندلیب شادانی اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نام گنوا کر اس بحث پر اپنی رائے پیش کی ہے۔ (۴۶)

مولوی سید احمد دہلوی نے لفظ "آہ" کے بارے میں لکھا ہے:

"آہ۔ ف۔ کلمہ افسوس۔ انگریزی Ah! oh) اوہ۔ آہ) ہندی (ہا (i) (ہائے۔
وائے۔ حیف۔ افسوس۔ اُف۔ ہا۔ واویلا۔ نالہ "۔ (۴۷)

اس لفظ کے بارے میں جابر علی سید کا خیال ہے کہ مولف فرہنگ آصفیہ نے اسے فارسی کا لفظ قرار دے دیا ہے جب کہ یہ عربی کا لفظ ہے۔ یعنی فرہنگ کے محاسن و معائب کے اندراج میں جابر علی سید نے ان تمام لسانی علوم کے تحت جائزہ لیا ہے جن کا جاننا ضروری ہے۔ پلیٹس کی لغت کے جائزے میں بھی جابر علی سید نے لفظ تجرید "کا گہرا

مطالعہ پیش کیا ہے۔ فرہنگ آصفیہ کے محاکے میں بھی اس لفظ کے معانی پر انھوں نے تفصیل سے لکھا ہے۔ مولف فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں :

"تجرید۔ع۔اسم مونث (i) عریانی۔برہنگی (۲) تنہائی۔علیحدگی (۳) علم بیان کی ایک صفت کا نام جس میں زوائدات کو دور کر کے صرف ایک معنی سے غرض رکھتے ہیں جیسے گل۔ اس کے معنی ہیں گلاب کا پھول مگر یہ قاعدہ مطلق پھول پر اطلاق ہونے لگا"۔(۴۸)

جابر علی سید کے خیال میں :

"مولف علم بیان اور علم بدیع میں فرق جانتے ہوئے بھی ان کے فرق کو نظر انداز کر جاتے ہیں.... علم بیان میں صنائع نہیں آتے بل کہ یہ اسالیب بیان کے تنوع کا علم ہے۔ اس میں تشبیہ ، استعارہ، مجاز، کنایہ، تعریض وغیرہ زیرِ بحث لائے جاتے ہیں"۔(۴۹)

علم عروض، بیان وبدیع کے ساتھ ساتھ جابر علی سید نے اردو زبان کے مولد و منشا کے حوالے سے موجود نظریات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں انھوں نے پنجاب میں اردو' کے نظریے پر تفصیلاً لکھا جس کا ذکر کیا جا چکا ہے اور فرہنگ آصفیہ کے تعارف ہی میں دکن میں اردو، کے نظریے کا بھی جائزہ پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں ہونے والے وقیع کام کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ وہ اردو کے اس نظریے پر یوں لکھتے ہیں :

"دکن میں اردو جیسا کہ میں ابتداً لکھ آیا ہوں اپنے اصل وطن دلی و میرٹھ سے پہلے پہل علاء الدین کی افواج کے ذریعے پہنچنا شروع ہوئی اور پھر عہد تغلق میں دارالخلافہ کی تبدیلی پر خلجی عہد میں علاء الدین حسن گنگو نے دکن میں جب بہمینی خاندان کی بنیا دڈالی تو یہ گویا دکن میں اردو کی ترویج و ارتقا کی ضمانت تھی کیوں کہ حسن گنگو نے اپنے مرشد کی تلقین پر اردو کو جامہ عمل پہنایا ہے۔ دلی سے دکن کے سیاسی معاشرتی تعلقات قائم ہو گئے۔ شعرا، علما، صوفیا تجار دکن پہنچنا شروع ہوئے۔ قطب شاہی دور تک دکن میں دکنی پھلنے پھولنے لگی۔ ساتھ ہی اس میں مقامی بولیوں مراٹھی، تلگو

وغیرہ کے عناصر دخیل ہونے لگے، پنجابی عناصر نمایاں حد تک دکن میں نمو پانے لگے اس کی وجہ دکن میں وارد ہونے والے اہل دہلی میں اہل پنجاب کا نمایاں عنصر تھا"۔(۵۰)

فرہنگ آصفیہ سید احمد دہلوی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ اس فرہنگ کے بارے میں مولوی عبدالحق کی رائے درج کی جاچکی ہے۔ فرہنگوں پر جتنی بھی تحقیق و تنقید سامنے آئی ان میں فرہنگ آصفیہ کو نمایاں مقام دیا گیا۔ جابر علی سید نے فرہنگ آصفیہ کو اردو سرمایہ فرہنگ میں قابل قدر اضافہ گردانا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے تسامحات اور فروگذاشتوں کا تفصیلی ذکر بھی کیا ہے لکھتے ہیں :

" یہ چند معروضات معروضی محض علمی جستجو کا نتیجہ ہیں ورنہ فرہنگِ آصفیہ کی افادیت اور جامعیت میں کسے کلام ہو سکتا ہے"۔(۵۱)

مزید یہ:

"فرہنگ آصفیہ ایک عظیم اور مہتم بالشان لسانی کارنامہ ہے۔ اس میں اغلاط تلاش کرنا اور ان کو صحیح ثابت کرنا آسان کام نہیں لیکن جیسا کہ ایک مغربی مصنف لکھتا ہے کہ جو لکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کی کتاب میں کوئی غلطی نہیں وہ احمق ہے اور اس سے بڑا احمق وہ شخص ہے جو یہ سمجھے کہ فلاں کتاب میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ یہ مصداق ان تصورات کے سید احمد دہلوی کے علمی کارنامے میں اغلاط خصوصاً محاورے اور ضرب المثل اور لغات عامہ و خاصہ کی بہت ملیں گی۔ ایک عام نقص جسے ہیئت کی خرابی کہیے اور جو مرزا غالب کی نظر میں کسی فرہنگ کا بڑا نقص ہوتا ہے اس میں پیش پا افتادہ اور آسان الفاظ کا داخل کرنا ہے لیکن علی الرغم اس نقص کے بعض عامتہ الورود لفظوں کی غیر معمولی تعریف بھی کسی لغت نگار کا خصوصی کارنامہ ہو سکتی ہے"۔(۵۲)

تحقیق کی اسی جستجو کا عمل جاری رکھنے کی غرض سے جابر علی سید نے فرہنگ آصفیہ کے کچھ تسامحات اور فروگذاشتوں کا ذکر کرتے ہوئے الفاظ کا محاکمہ پیش کیا ہے۔ جابر علی سید نے پلیٹس کی لغت کے تجزیے میں ۱۷۳ الفاظ شامل ہیں جب کہ چار جلدوں پر مشتمل فرہنگ آصفیہ کے صرف ۱۲ الفاظ کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ مولوی سید احمد دہلوی کی سب سے اہم اور نمایاں فروگذاشت اردو زبان و محاورہ کے اہم الفاظ سے صرفِ نظر کر لینا ہے جیسا کہ جابر علی سید نے اس طرف یوں توجہ دلائی ہے :

"فرہنگ میں بعض ضروری الفاظ نظر انداز ہو گئے ہیں۔ ان میں اوبنا بہ معنی بیزار ہونا، تخیل بہ معنی خیال آرائی اور دیجور بہ معنی سیاہ (شبِ دیجور) ہیں۔ ان کی غیر حاضری صحیح معنوں میں فروگذاشت ہے"(۵۳)

مولوی سید احمد دہلوی نے فرہنگ کے آغاز میں طویل ترین دیباچے کا اہتمام کیا ہے اور اس ضمن میں اردو زبان کے مولد، آغاز، ارتقا، تصنیفی ارتقا وغیرہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس بحث میں جو مشکل اور ادق الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ان میں سے بیش تر کے معانی و مفاہیم اس فرہنگ میں جگہ نہ پا سکے۔ حال آں کہ مولف نے دیباچے میں فرہنگ آصفیہ میں کیا کیا ہے؟" کے زیر عنوان یوں وضاحت کی ہے:

"تذکیر و تانیث کی تمیز اہل دہلی اور لکھنو کے موافق اس میں موجود ہے۔ زبانوں کا فرق اور ان کی اصلیت کا پتا اس سے لگتا ہے۔ عام محاورے اس میں درج ہیں۔ خاص خاص محاورے اس میں داخل ہیں۔ فقیروں کی صدائیں اس میں سن لو۔ سودے والوں کی آوازیں اس میں دیکھ لو۔ دل لگی اس میں ہے۔ ظرافت اس میں ہے۔ بعض موقعوں پر جواریوں، ٹھگوں، دلالوں، چابک سواروں، بدمعاشوں، مختلف پیشہ وروں کے وہ ملتے جلتے روزمرے جن کے نہ جاننے سے اکثر انسان دھوکا کھا جاتا ہے۔ بہ ترتیب حروف اس کتاب میں شامل کر دیے ہیں"۔(۵۴)

مسعود ہاشمی نے اردو لغات کا تنقیدی جائزہ (فرہنگ آصفیہ، نوراللغات، فیروز اللغات و مہذب اللغات کی روشنی میں) میں مولوی سید احمد دہلوی کے درج بالا دعوے کی کم زوری کا ذکر یوں کیا ہے :

"فرہنگِ آصفیہ میں.... عام محاورے، خاص محاورے، فقیروں کی صدائیں، سودے والوں کی آوازیں، جواریوں، ٹھگوں، دلالوں، چابک سواروں، بدمعاشوں اور مختلف پیشوں سے متعلق تمام لفظی سرمائے کو شامل لغت کرنے کا دعوی اس لحاظ سے کافی کم زور معلوم ہوتا ہے کہ لغت کے دیباچے نیز بعض الفاظ کی طوالانی توضیحات میں خود مصنف کے ذریعے استعمال شدہ سیکڑوں الفاظ شامل لغت نہیں ہیں۔ صرف دیباچے میں دو سو سے زیادہ الفاظ ایسے استعمال کیے گئے ہیں جو لغت میں موجود نہیں ہیں جن

میں کچھ تو عام طور پر کافی مستعمل الفاظ مثلاً 'پوسنا، تکوین، ہارج، بوکھا، اور، شیوع، بھی
شامل ہیں"۔(۵۵)

جابر علی سید نے فرہنگ آصفیہ میں مندرج الفاظ و محاورات کا تحقیقی و لسانی تجزیہ پیش کرنے میں تاریخ، لسانیات اور ادبی امثال سے مدد لی ہے یوں اس محاکے کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے الفاظ کی اصل بتانے میں عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کے علاوہ پنجابی زبان کی لسانیات و صوتیات پر بھی غور کیا ہے مثلاً لفظ "پادری" کی ذیل میں مولف فرہنگِ آصفیہ لکھتے ہیں :

"پادری، پرتگال۔ اسم مذکر(۱) عیسوی مذہب کا پیشوا۔ عیسائی واعظ۔ اُسقف۔ قسیس، کشیس، وہ گروہ جو دینِ عیسوی پھیلانے پر کمربستہ ہے۔ عالم دین نصاریٰ (۲۔طنزاً کرسچن۔ عیسائی۔"(۵۶)

جب کہ جابر علی سید کے مطابق :

"اصلاً یہ انگریزی)Father پادریوں کا ایک نوع کا خطاب) کی مورد صورت ہے جو چھاؤنیوں میں وضع ہوئی۔ پادری اور میم (Madam) صحیح معنوں میں 'لشکر' کے الفاظ ہیں۔ ہر چند کہ پدر اورFather متحد الاصل آریائی لفظ ہیں لیکن برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی عمل داری کے زمانے میںFather پادری بن گیا"۔(۵۷)

فرہنگ آصفیہ کے محاکے میں قواعد، صوتیات اور لسانیات کے مسائل سے بھی زیادہ حقائق کی پردہ کشائی کا فرض انجام دیا گیا ہے۔ ان حقائق کا تعلق مختلف علوم سے ہے مثلاً 'فرہنگ' میں "ابتر" کے معنی دم کٹا، لنڈا ،لنڈورااور علمِ عروض کے ایک زحاف کا نام بتایا گیا ہے۔

جابر علی سید نے لکھا ہے :

"عروض کی اصطلاح میں ابتر زحاف کا نام نہیں۔ زحاف کا نام بتر ہے بہ معنی دم کاٹنا۔ ابتر وہ رکن ہے جس پر بتر کا زحاف وارد ہو"۔(۵۸)

اسی طرح سے جابر علی سید نے علوم و فنون کی تاریخ سے واقف ہونے کا ثبوت بھی بیش تر الفاظ کے محاکے میں پیش کیا ہے۔ جیسا کہ مولف فرہنگ آصفیہ نے "ارسطو" کے تحت لکھا ہے کہ علم معانی، عروض سیاست تمدن، طبیعیات، طب، ہندسہ، منطق، امور عامہ نیز اقسام فنونِ معقولات میں بڑی واقفیت کے ساتھ کتابیں لکھی

ہیں۔ جابر علی سید نے اس لفظ کے محاکمے میں تاریخ ادب و فنون پر نظر ڈالتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مولف نے جس طرح ارسطو کو منطق اور سیاسیات و حیاتیات کے علاوہ علم معانی اور علم عروض کی تصانیف کا مصنف بھی بتایا ہے، صحیح نہیں ہے، جابر علی سید کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

"ارسطو کے زمانے میں علم معانی جسے آج کل Semantics کہتے ہیں اور امریکہ میں اسے بہت ترقی ہوئی ہے، ابھی وضع نہیں ہوا تھا البتہ عربوں نے بارھویں صدی میں اسے مدون کر دیا تھا اور اسے بلاغت کی صفت سے بحث کرنے والا قرار دیا تھا۔ علم عروض (Prosody) پر ارسطو نے کوئی کتاب نہیں لکھی البتہ فن شاعری پر اس کی معروف و مقبول تصنیف 'بوطیقا' ہے جس میں یونانی شاعری کی مقبول بحروں پر خامہ فرسائی کی گئی ہے"۔ (۵۹)

بعض الفاظ کی اصل بتانے میں جابر علی سید نے الفاظ کے لسانی سفر کا حوالہ ضرور دیا ہے جس سے الفاظ کے تاریخی پہلو سے واقفیت ہوتی ہے مثلاً لفظ "قانون" کی ذیل میں لکھتے ہیں :

"قانون کے معنی آتش دان یا بھٹی کے ہیں جس کا تعلق معنوی قانون سے نہیں ہے.... ایک خیال یہ بھی گزر سکتا ہے کہ اولاً Cannon کو بہ صورت کانون اختیار کیا گیا پھر یہ دیکھ کر کہ یہ کافی حد تک عربی نہیں کہ قاف سے عاری ہے قانون بنالیا گیا لیکن یہ خدشہ بے بنیاد ہے اس لیے کہ یونانی کے الفاظ بہ توسط سریانی عربی میں آئے ہیں اور سریانی میں قاف قرشت خود موجود ہے جو تعریبات میں حاوی ہے"(۶۰)

جابر علی سید کو علم معانی، بیان و بدیع اور عروض سے خاص شغف ہے یہی وجہ ہے کہ فرہنگ آصفیہ کے الفاظ کے محاکمے میں انھوں نے ان علوم سے جڑی اصطلاحات کا بہ غور مطالعہ کیا ہے مثلاً اصطلاح، فہرست، قافیہ، کنایہ اور منطق انھی علوم سے منسلک اصطلاحات ہیں۔

میدان تحقیق و تنقید میں جابر علی سید کی ایک تخصیص تقابلی مطالعے کی ہے۔ وہ مشرقی و مغربی ادبی ذخائر اور تنقیدی نظریات کا تقابل کرتے ہیں لغات کے تحقیقی و تنقیدی جائزے کے سلسلے میں بھی ان کی یہ صلاحیت اس محاکمے کی اہمیت دوچند کر دیتی ہے۔ لغات میں الفاظ کے اندراج کا یہ تقابل اس تجزیے میں دو طرح سے نظر آتا ہے پہلی صورت یہ کہ فرہنگ آصفیہ کے مولف مولوی سید احمد دہلوی نے ایک عرصہ فیلن کی لغت کی تیاری کے

سلسلے میں اس کے ساتھ گزارا تھا۔ فرہنگ کے کچھ الفاظ کے معانی کا تقابل یا ان کے ماخذ کی نشان دہی فیلن کی لغت کے ذریعے کی گئی اس ضمن میں جابر علی سید نے چند الفاظ کا تجزیہ پیش کیا ہے مثلاً :

"پرچ: بہ معنی پیالی کے نیچے کی چھوٹی رکابی: اس کو انگریزی کی (Prich) بتایا ہے مگر یہ لفظ کسی انگریزی ڈکشنری میں نہیں ملتا۔ شاید فیلن صاحب نے اپنی اور سید صاحب کی لغت کے لیے گھڑ لیا ہے۔ پلیٹس میں صحیح طور پر ہندی بتایا گیا ہے"۔(۶۱)

درج بالا اقتباس کی آخری سطر سے ہی تقابل کی دوسری صورت کے بارے میں بھی پتا چلتا ہے۔ یوں تو جابر علی سید نے پلیٹس کی لغت اور فرہنگ آصفیہ کے الفاظ کا محاکمہ الگ الگ حصوں میں بانٹ دیا ہے لیکن بیش تر الفاظ کے محاکمے میں صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ پلیٹس کے الفاظ کے محاکمے میں فرہنگ آصفیہ میں اسی لفظ کا اندراج تلاش کرتے ہیں اسی طرح فرہنگ آصفیہ کے محاکمے میں پلیٹس کی امثال پیش کرتے ہیں۔ ذیل کی کچھ مثالوں سے اس نکتے کی وضاحت ہو جاتی ہے پلیٹس کے ہاں مندرج لفظ "دبدبہ" کی ذیل میں یوں لکھتے ہیں :

"فرہنگ آصفیہ کے مولف اسے خالص عربی بتاتے ہیں اور اس کے لغوی معنی گھوڑوں کی ٹاپ درج کرتے ہیں"(۶۲)

اور فرہنگ آصفیہ کے تجزیے میں پلیٹس کی لغت پر محاکمے کے حوالے دے کر تجزیے کی تحقیقی و تقابلی اہمیت کو اس طرح بڑھاتے ہیں :

"بروا: پلیٹس کے تبصرے میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔ مولف فرہنگ آصفیہ بھی بروا کو بیری کا مصغر نہیں جانتے اور صرف پودا کے معنی دیتے ہیں"(۶۳)

اس طرح کے تقابل سے دونوں لغات میں مذکور لفظ کی صورت حال اپنی لسانی اصل کے ساتھ منظر عام پر آجاتی ہے مثلاً لفظ "فہرست" کے لیے یوں لکھتے ہیں :

"فہرست: اس کو بجا طور پر فارسی الاصل بتایا ہے۔ فوربس اور اس کے شاگرد رشید پلیٹس اسے ژند کے پیری ہرسٹہ سے ماخوذ کہتے ہیں۔ یہ عین ممکن ہے تاہم راست راست بھی فہرست کا کینڈا فارسی کا سا ہے اس کے آخر میں جو سین اور تاء ساکن آرہے ہیں اس کے عجمی الاصل ہونے کا اعلان کر رہے ہیں عربی کا کوئی لفظ اپنے آخر میں سین

اور تاء ساکن باہم نہیں رکھ سکتا۔ اس کے فارسی اور غیر عربی ہونے کا ایک اور ثبوت بھی ہے اور وہ اس کی ترخیم بہ صورت فرہس، جمع فہرس "(۶۴)

کتب لغت کے اس تحقیقی و لسانی جائزے کے حواشی و تعلیقات وارث سرہندی نے درج کیے ہیں۔ جو جابر علی سید کے محاکمے کی زیادہ صراحت نہیں کرتے ہیں کہ ان میں تحقیقی و تنقیدی اسقام موجود ہیں مثلاً لغات کے جائزے سے بہ خوبی پتا چلتا ہے کہ جابر علی سید نے ادبی امثال سے اپنے موقف کی وضاحت میں مدد لی ہے جب کہ حواشی و تعلیقات میں تحقیق کے بنیادی اصول کے منافی صورت حال ہے کہ وارث سرہندی صاحب نے فیصلہ "سنا ہے" "دیکھا ہے" کی بنیاد پر صادر کیا ہے اسناد مہیا نہیں کیں مثلاً چند جملے ملاحظہ ہوں:

"میں نے خود ایسی بہت سی قلمی تحریریں دیکھی ہیں " (۶۵)

ان قلمی تحریروں کا کوئی حوالہ یا مصنف و شاعر کی بابت کچھ ذکر نہیں کیا گیا۔ مزید لکھتے ہیں:

میں نے "پادھا" پنجاب میں استاد اور مذہبی راہ نما کے معنی میں بھی بولتے سنا ہے" (۶۶)

" خود میں نے لوگوں کو 'چادرا' بولتے سنا ہے" (۶۷)

ان حواشی و تعلیقات کا مقصد جابر علی سید کی لسانی تحقیق کو غلط ثابت کرنا ہے مثلاً لفظ "خیلا" کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"خیلا عربی جیسا کہ ناقد نے خود اس سے پہلے درج کر کے اس کے معنی 'زیادہ تلوں والے چہرے والی" بتائے ہیں اگر اسے عربی لفظ 'خیلا' ہی سمجھا جائے تو اس کے معنی طراری اور خوب صورتی قرار دینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے چہرہ پر تلوں کی بھرمار خوب صورتی نہیں بل کہ بد صورتی ہے" (۶۸)

درج بالا اقتباس میں جابر علی سید پر جو اعتراض وارد کیا گیا ہے وہ یوں رفع ہو جاتا ہے کہ جابر علی سید نے "خیلا" کے معنی کو خوب صورتی سے منسلک ہی نہیں کیا۔ اصل الفاظ پر غور کرنے سے ثابت ہو گا کہ حواشی میں صرف اور صرف جابر علی سید کی تحقیق کو غلط قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے متن ملاحظہ ہو:

"خیلا، (عربی) اہل اردو و فارسی کے لیے معلومات افزا اور دل چسپ لفظ ہے بہ معنی زیادہ تلوں والی (زیادہ تلوں والے چہرے والے) اصل اس کا خال بہ معنی چہرے کا تل۔ خود تل استعارہ ہے روئندہ تل سے "(۶۹)

یہ مخالفانہ انداز حواشی و تعلیقات میں معلومات پہنچانے سے زیادہ اس نوعیت کا ہے کہ جابر کی طرف سے پیش کردہ تفصیلی معلومات کو بھی خالی ہی تصور کیا گیا ہے۔ مثلاً :

"ترجیع بند ناقد نے پلیٹس کی تشریح پر اعتراض کرتے ہوئے Stanza کی لمبی چوڑی تشریح کی ہے۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ یہاں ترجیع بند کی صحیح تعریف درج کر دینا کافی تھا۔" (۷۰)

اس اعتراض کا جواب دینے سے زیادہ اس کے بلاجواز ہونے کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جابر علی سید نے مقتدرہ کے اس تحقیقی سلسلے کی پہلی جلد ترتیب دی اور اس سے ایک طریق کار کا پہلی بار آغاز کیا کسی صنف شعر کی جب صرف ایک جملے میں تعریف بیان کی جارہی ہے اور کہا جارہا ہے:

"A kind of stanza in which one line recure stated internals"(71)

تو جابر علی سید نے اس کی مکمل تعریف ابتدائی صورت، معیار اور مثالوں سے وضاحت کی ہے اور یہی انداز انھوں نے ترکیب بند کے ضمن میں بھی اپنایا ہے۔

کس لغت کا تحقیقی و لسانی تجزیہ کیا اور اس میں مختصر لکھنے کی پابندی بھی نہ ہو تو کیا حرج ہے کہ مناسبت سے فراہم کر دی جائے یہ اس کو خامی نہیں خوبی گردانا چاہیے۔ اس سے جابر علی سید کی اصنافِ شعر کے حوالے سے معلومات کی وسعت بھی سامنے آتی ہے جب کہ وارث سرہندی صاحب کے اعتراض سے ان کے درج کردہ حواشی و تعلیقات کا منفی زاویہ بھی واضح ہو جاتا ہے۔ وارث سرہندی نے لکھا ہے:

"ترجمان' کو پلیٹس نے عربی لفظ بتایا ہے۔ ناقد کو اعتراض ہے کہ یہ 'ترزبان' کا معرب ہے اس لیے عربی نہیں کہنا چاہیے، 'معرب' ہو کر کوئی لفظ عربی ہی کہلائے گا۔ معرب یا مفرس کے لیے پلیٹس نے الگ الگ علامات مقرر نہیں لیں اس لیے معرب کو عربی ہی کہا جائے گا۔" (۷۲)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ 'معرب' الفاظ کو عربی نہیں کہا جائے گا۔ اس ضمن میں استنادیوں حاصل کیا جا سکتا ہے کہ 'تحقیق الفاظ' کے سلسلے کی ایک قسط میں جابر علی سید نے لفظ فہرس / فہرست کی تحقیق کے حوالے سے لکھا:

"ابن الندیم مولف الفہرست کی مذکورہ تالیف کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ فہرست اصل عربی ہے اور فہرس اس کی ترمیم شدہ صورت ہے ترمیم کی ضرورت یہاں شعری نہیں بلکہ یہ ہے کہ عربی کے الفاظ کے آخر میں س اور ت کا اجتماع عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتا جب کہ دونوں مجزوم بھی ہوں۔ یہ فارسی صوتیات کی چیز ہے۔ بست، دست، سہت وغیرہ۔ فہرس کی جمع فہارس ہے اور اسم مصدر یا معنی ف۔ ہ۔ ر۔ س۔ ت بروزنِ معدلت، مصنف وغیرہ۔" (۷۳)

درج بالا اقتباس جنوری ۱۹۸۳ء کے اخبارِ اردو میں "تحقیقی لفظی" کی قسط چہارم کا حصہ ہے مارچ ۱۹۸۳ء کے اخبارِ اردو میں ڈاکٹر خورشید رضوی کا ایک مکتوب ملتا ہے جس میں انھوں نے جابر علی سید کے تحقیقی ولسانی مقام و مرتبے کو تسلیم تو کیا ہی تھا ساتھ ہی لفظ فہرست کے بارے میں مزید صراحت کر دی :

"مستند مصادرِ لغت مثلاً لسان العرب اور تاج العروس میں تصریح موجود ہے کہ :

لیس بعربی محض و لکنہ معرب

یہ خالص عربی لفظ نہیں بلکہ معرب ہے۔" (۷۴)

اس اقباس سے یہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ خالص عربی لفظ اور معرب لفظ میں فرق ہے۔

جابر علی سید نے مقتدرہ کے اس تحقیقی سلسلے کی جلد اوّل نہایت حزم و احتیاط سے ترتیب دی کہ انھوں نے پہلی بار وہ اصول وضع کیے کہ کس طرح ایک لغت کا تحقیقی ولسانی تجزیہ کیا جانا چاہیے نیز ان کا لسانی شعور اور علم عملی صورت میں نظر آتا ہے امثال کے ضمن میں انھوں نے شعری و ادبی ذوق اور معلومات کے تحت قدیم تصانیف کی مثالیں پیش کر لی ہیں، وارث سرہندی صاحب نے اس تجزیے کے جو حواشی و تعلیقات درج کیے ہیں وہ معلوماتی ہونے سے زیادہ تنقیصی پہلو لیے ہوئے ہیں اور ان اعتراضات کی بنیاد پر جب اصل متن سے رجوع کیا گیا تو بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہوا۔ ان حواشی و تعلیقات کی نوعیت محققانہ نہیں بلکہ مخالفانہ ہے۔

جابر علی سید نے یہ جائزہ ۱۹۸۴ء میں مکمل کیا اور ۱۹۸۵ء میں ان کی وفات ہوئی۔ "اخبارِ اردو" نے انھوں نے "تحقیق لفظی" کے زیرِ عنوان ایک قسط وار سلسلہ شروع کر رکھا تھا جس کی پہلی قسط ۱۹۸۱ء کی ہے۔ لفظوں کی تحقیق کے حوالے سے ان کے بیشتر خطوط ساٹھ کی دہائی میں فنون میں بھی ملتے ہیں۔ جن سے متبادر ہوتا ہے کہ مقتدرہ کے اس کتابی سلسلے سے پہلے جابر علی سید اس نوعیت کا کام انفرادی طور پر کر رہے تھے۔ لہٰذا واضح طور پر دیکھا جا سکتا

ہے کہ ایک لفظ کی اصل کی نشان دہی اس کے اشتقاقات اور استعمال کے ساتھ ساتھ اس کی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی صورت کو جس طرح وہ ذاتی محفلوں، علمی خطوط، فنون اور اخبارِ اردو میں بیان کرتے رہے بالکل اسی طرح اس جلد اوّل میں بھی فرہنگِ آصفیہ اور پلیٹس کی لغت کے الفاظ کا محاکمہ کیا گیا ہے اور یہی انداز بعد ازاں مقتدرہ کی اس سلسلے کی دیگر جلدوں میں تجزیے کا بھی رہا جن میں سے چار جلدوں میں تجزیے وارث سرہندی صاحب کے پیش کردہ ہیں۔

> "تحقیق لفظی" کے ضمن میں جابر علی سید صاحب کی انفرادیت اور محنت و کاوش کو ایک الگ تحریر کی صورت میں پیش کیا جائے گا کہ ان کے لسانی و عروضی مقالات میں بھی تحقیق لفظی پر مبنی مقالات موجود ہیں۔
>
> مخالفت کا یہ انداز حواشی و تعلیقات میں اس درجہ غالب ہے کہ جابر علی سید کی تحریر میں سہو قلم کی بھی دو سے تین بار نشان دہی کر دی ہے۔ پلیٹس کی لغت سے جابر علی سید نے ۱۷۳الفاظ کا محاکمہ پیش کیا ہے حواشی و تعلیقات صرف ۱۹۷الفاظ کے لیے پیش کیے گئے ہیں اس طرح فرہنگ آصفیہ کے ۲۱ الفاظ پر جابر علی سید کی تحقیق سامنے آتی ہے اور حواشی میں صرف تین الفاظ پر تحقیق ہے جس میں سے دو الفاظ میں سہو قلم کی طرف اشارہ ہے اور سہو قلم کے ان دو الفاظ میں سے بھی ایک میں حاشیہ نگار خود غلط فہمی کا شکار ہیں کہ لفظ "پادری" کی تفصیل میں جابر علی سید نے 'چھاءنیوں " لکھا ہے اور صحیح لفظ "چھاؤنیوں" ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جابر علی سید نے لفظ 'چھاونیوں' ہی لکھا ہے اور یہ لفظ تصنیف کی طبع اول سے ہی درست لکھا گیا ہے۔[۷۵]

جابر علی سید لسانی و ادبی تحقیق و تنقید کے آدمی تھے انھوں نے خالص ذاتی علم اور تجربوں کے تحت اور لسانی نظریات کے اثر سے آزاد ہو کر لغات کا تجزیہ کیا ان کے اس تجزیے پر کیے گئے اعتراضات کچھ خاص تحقیقی بنیادوں پر مبنی نہیں اور نہ ہی ان اعتراضات سے جابر علی سید کے تحقیقی و لسانی مقام میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے لیکن ضروری تھا کہ ان کی علمی شخصیت کی اس وقیع جہت کو تفصیل سے سامنے لایا جاتا اور وارث سرہندی صاحب کے اعتراضات کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ جابر علی سید: کتب لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ (جلد اوّل)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۴ء

۲۔ وارث سرہندی: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ (جلد دوّم)، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء

۳۔ مولوی عبدالحق: لغتِ کبیر (حصہ اوّل)، کراچی: انجمن ترقی اردو ۱۹۷۷ء، ج:۲، ص۹

۴۔ ایضاً

۵۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ ج:۱، ص۱۵

۶۔ Platts, John, T: A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English, London: Oxford University Press, 1884, Pg:144

۷۔ ایضاً

۸۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ ج:۱، ص۱۴

۹۔ مولوی عبدالحق: لغتِ کبیر (حصہ اوّل)، ص۲۶

۱۰۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص۲۰

۱۱۔ Platts, John T: (Preface) A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English.

۱۲۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص۱۵

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ ایضاً، ص۱۳۷، ۱۳۸

۱۵۔ ایضاً، ص۱۲۱

۱۶۔ ایضاً، ص۱۷

۱۷۔ Platts, John T: A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English.Pg:5

۱۸۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص۲۱

۱۹۔ ایضاً، ص۱۱۴تا۱۱۶

۲۰۔ Platts, John T: A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English. Pg:311

۲۱۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص۲۰

۲۲۔ ایضاً، ص۲۳

۲۳۔ ایضا، ص۸۰

۲۴۔ Platts, John T: A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English. Pg519

۲۵۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۸۰
۲۶۔ ایضاً
۲۷۔ ایضاً، ص ۴۸
۲۸۔ ایضاً، ص ۸۲
۲۹۔ Platts, John T: A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English. Pg496
۳۰۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۶۸، ۶۹
۳۱۔ ایضاً، ص ۸۶
۳۲۔ Platts, John T: A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English. Pg531
۳۳۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۳۳
۳۴۔ مولوی عبدالحق: لغتِ کبیر (جلد اوّل)، ص ۳۹، ۴۰
۳۵۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۱۱۳
۳۶۔ سید احمد دہلوی: فرہنگِ آصفیہ، لاہور: مرکزی اردو بورڈ ۱۹۷۷ء، ج:۱، ص ۳۰
۳۷۔ سید احمد دہلوی: فرہنگِ آصفیہ، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، س ن، ج:۴، ص ۸۳۸
۳۸۔ ایضاً، ص ۸۳۶
۳۹۔ ایضاً، ص ۸۴۱
۴۰۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۱۱۱
۴۱۔ ایضاً
۴۲۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی: کیفیہ، لاہور: مکتبہ معین الادب ۱۹۵۰ء، ص ۲۰
۴۳۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۱۱۲، ۱۱۳
۴۴۔ ایضاً، ص ۱۱۷
۴۵۔ ایضاً
۴۶۔ ایضاً
۴۷۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۳۲۷
۴۸۔ سید احمد دہلوی: فرہنگِ آصفیہ (جلد اوّل)، ص ۵۹۳
۴۹۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۱۱۸
۵۰۔ ایضاً، ص ۱۲۲

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۲۰
۵۲۔ ایضاً، ص ۱۲۲
۵۳۔ ایضاً، ص ۱۱۹
۵۴۔ سید احمد دہلوی: فرہنگِ آصفیہ، ج:۱، ص ۴۰
۵۵۔ گوپی چند نارنگ (مرتب): لغت نویسی کے مسائل، نئی دلی: کتاب نما، ۱۹۸۵ء
۵۶۔ سید احمد دہلوی: فرہنگِ آصفیہ، ج:۱، ص ۴۷۴
۵۷۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۳۱
۵۸۔ ایضاً، ص ۱۲۵
۵۹۔ ایضاً
۶۰۔ ایضاً، ص ۱۳۰
۶۱۔ ایضاً، ص ۱۲۷
۶۲۔ ایضاً، ص ۴۷
۶۳۔ ایضاً، ص ۱۲۶
۶۴۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۶۵۔ ایضاً، ص ۱۳۷
۶۶۔ ایضاً، ص ۱۴۳
۶۷۔ ایضاً، ص ۱۴۹
۶۸۔ ایضاً، ص ۱۵۲
۶۹۔ ایضاً، ص ۶۹
۷۰۔ ایضاً، ص ۱۲۵
۷۱۔ Platts, John T: A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English. Pg 417
۷۲۔ اخبارِ اردو، نومبر ۱۹۸۲ء، ج:۲، ش:۱۱، ص ۷۰
۷۳۔ ایضاً، جنوری ۱۹۸۳ء، ج:۳، ش:۱، ص ۲۸
۷۴۔ ایضاً، مارچ ۱۹۸۳ء، ج:۲، ش:۳، ص ۱۶
۷۵۔ جابر علی سید: کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ، ج:۱، ص ۱۶۹